خواجہ میر درد کی اردو غزلوں کے انگریزی تراجم

ڈاکٹر محمد کامران☆

Abstract

Many translators from Sub-continent and Europe tried to transform the beauty and fragrance of the Urdu ghazals of Mir Dard into English. This article is not only the critical study of the translations of the classic Urdu ghazls of Mir Dard into English, it also highlights the age as well as the individuality, universal approach, mysticism and colors of the ghazals of Mir Dard.

کلاسیکی اردو شاعری جہاں اپنے باطن میں حسن و عشق کے ان گنت رنگ سموئے ہوئے ہے، وہاں تہذیبی رنگارنگی، عصری معنویت، گلہائے تصوف، وارداتِ قلبی اور آفاقی شعور کے باعث انفرادیت کی ایک خاص شان رکھتی ہے۔ خاص طور پر اردو غزل جو نہ صرف اردو شاعری کی آبرو اور سرتاج ہے، اپنے انگریزی تراجم کی بدولت نئی دنیا تک رسائی حاصل کر رہی ہے۔ ردیف و قافیے اور بحر کی پابندیوں اور مخصوص رموز و علائم کے باعث اہلِ مغرب کے لیے اجنبی ہونے کے باوجود اپنے اندر ایک خاص کشش لیے ہوئے ہے۔

میرؔ و سوداؔ کے عہد کو اردو شاعر کا عہدِ زریں قرار دیا جاتا ہے۔ میر تقی میر کے معاصرین میں میر درد اپنے متصوفانہ افکار کی بدولت اردو شاعری کی تاریخ میں خاص انفرادیت کے حامل ہیں۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

''دیگر غزل گو شعراء کے برعکس درد کے لیے تصوف برائے شعر گفتن نہ تھا۔ ان کا کلام جس الفتِ الٰہی، توکل، تسلیم و رضا اور انسان دوستی کی تلقین کرتا ہے ان کی اپنی زندگی ان سب اوصاف سے متصف تھی۔۔۔تصوف فلسفہ کی صورت میں خاصا مشکل اور اشغال اور احوال و مقامات کے بیان میں خاصا پر اسرار ہے لیکن یہ دردؔ کا اعجاز ہے کہ انھوں نے کم از کم اصطلاحات استعمال کیے بغیر بڑی سے بڑی حقیقت اور مبہم ترکیفیت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا، کیونکہ تخلیقی شعور کا سرچشمہ عملی زندگی بنتی تھی۔ اس لیے کلامِ درد کے روحانی سفر کی سرگزشت بن جاتا ہے اور یوں نفسانفسی کے اس صحرا میں دیوان درد ایک نخلستان کا روپ دھار لیتا ہے''۔(۱)

مختلف مترجمین نے میر درد کی منتخب غزلیات کے علاوہ رباعی، مخمس اور ترکیب بند کو بھی انگریزی میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، جس کے باعث غیر ملکی قارئین دردؔ کی شاعری میں تصوف کی کلیوں کی مہک محسوس کر سکتے ہیں۔ میر درد کی شاعرانہ عظمت کے پیشِ نظر اومیش جوشی، پروفیسر احمد علی، ڈاکٹر محمد صادق، شہاب الدین رحمت اللہ، کے سی کانڈا، گوپی چند نارنگ، ڈی جے میتھیوز، کرسٹوفر شیکل اور این میری شمل نے ان کے منتخب اشعار کو انگریزی میں منتقل کیا ہے۔

میر دردؔ کی ایک معروف غزل کے دو اشعار دیکھیے:

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے   جس لیے آئے تھے ہم سو کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے   ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

مذکورہ اشعار کا ترجمہ ڈاکٹر محمد صادق نے اس طرح کیا ہے:

What did we do in this world except incur evil opinions!

For this purpose we were sent here and we have fulfill our destiny.

Is this life or raging tempest?

We are dying at the hands of this life.(2)

کے سی کانڈا کا ترجمہ:

Nothing but blame and blemish have we

earned in life. \ What, alas! we come to do, what achieved in life?

Is it life, or a tempest wild? \ Such a life is a living death. (3)

احمد علی کا ترجمہ:

Blame was all / That we received;

What we were born for / Never achieved.

Is it a storm, / Or is it life?

We die of living / And the strife.(4)

ڈی جے میتھیوز اور کرسٹوفر شیکل مذکورہ شعر کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

We shall be rightly charged on judgment day

Sent here to sin, for sins we then shall pay.

Was this life, or just some passing storm.

It caused our death, and so we passed away.(5)

مذکورہ بالا دوسرے شعر کا ترجمہ اومیش جوشی نے اس طرح کیا ہے:

Is it life, or a tornado

This living has verily killed me! (6)

خواجہ میر درد نے مذکورہ اشعار میں تصوف کے زیر اثر قضا وقدر کا تصور پیش کرتے ہوئے، ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی، والا مضمون پیش کیا ہے۔ شاعر نے پہلے شعر میں انسان کی بے بضاعتی اور مجبوریوں پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے، جب کہ دوسرے شعر میں زندگی کو ایک ایسی آزمائش

قرار دیا ہے کہ جس میں انسان موت سے پہلے کئی بار موت کا ذائقہ چکھتا ہے اور زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر محمد صادق اور کے سی کانڈا اشعار کے مفہوم کی عکاسی تک محدود رہتے ہیں لیکن آخری مصرعے میں دونوں مترجمین نے تاثر کی قوت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مقابلے میں احمد علی نے Received کے ساتھ Achieved اور Life کے ساتھ Strife کے قافیے استعمال کر کے ترجمے میں ایک روانی اور غنائی تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر انھوں نے چار مصرعوں کا آٹھ مصرعوں میں ترجمہ کر کے کیا ہے جس کے باعث مذکورہ ترجمہ اپنی ہیئت کے اعتبار سے آزاد نظم کے قریب محسوس ہوتا ہے۔ ڈی جے میتھیوز اور کرسٹوفر شیکل نے Pay, day اور away جیسے ہم وزن الفاظ استعمال کر کے ترجمے میں نغمگی کا تاثر ابھارا ہے۔ Sin اور Judgment Day اور Death جیسے الفاظ کے استعمال سے وہ یوم حساب تک تو پہنچ گئے ہیں مگر میر درد کے اشعار میں قضا وقدر کے حوالے سے جو صوفیانہ رمز پنہاں تھی، اس تک رسائی حاصل نہیں کر پائے۔

مستشرقین میں سے این میری شمل کو برصغیر کی تاریخ وتہذیب اور تصوف سے خاص دلچسپی ہے۔ کلاسیکی شاعری میں اقبالیات بھی ان کی دلچسپی کے خاص میدان ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب Pain and Grace میں خواجہ میر درد کے متعدد اشعار کو انگریزی میں منتقل کیا ہے۔ این میری شمل درد کی شعری لغت اور متصوفانہ رنگ سخن کی تفتیل ضرور ہیں۔ مگر ان کے تراجم میں وہ تہذیبی گہرائی اور تصوف کی رمزیں نہیں جھلکتیں جو درد کی غزل کی شناخت اور برعظیم کے باسیوں کے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہے۔ مثلاً درد کا ایک معروف شعر ہے:

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا　　　ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

محولہ بالا شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے این میری شمل لکھتی ہیں:

Whether madrasa or monsatery whether kaba or idol temple

They were all guest houses, but you are the owner of the house. (7)

احمد علی، اس شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Whether school or mosque or tavern,

Kaaba or the temple

You were the master everywhere

And we but only guests. (8)

این میری شمل نے صاحب خانہ کے لیے owner اور عبادت گاہوں کے لیے Guest houses جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اسی طرح "مدرسہ" کے لیے بھی کوئی موزوں متبادل لفظ استعمال کرنے کی بجائے Madrasa پر قناعت کی گئی ہے۔ اسی طرح احمد علی نے بھی مذکورہ شعر کے مصرع اول میں مدرسہ کا ترجمہ School کیا ہے جو قریب المفہوم ہونے کے باوجود مدرسہ کے مکمل مفہوم کی ترجمانی نہیں کرتا۔ اسی لیے این میری شمل نے عجز کا اظہار کرتے ہوئے مدرسہ کا ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعے میں احمد علی نے صاحب خانہ کے لیے master کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو خالق کائنات کی طرف اشارہ ہے اگر یہاں master کا لفظ کیپٹل M سے لکھا جاتا تو صاحب خانہ اور مالک یا خدا کے مفہوم کی ترجمانی کرنا زیادہ معنویت کا حامل ٹھہرتا۔ مجموعی طور پر احمد علی کا ترجمہ اصل متن کی بہتر عکاسی کرتا ہے۔

اسی طرح درد کی غزل کے ایک اور شعر میں بھی مسائل تصوف کا بیان ملتا ہے:

سر تا قدم زباں ہیں جوں شمع گو کہ ہم   پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

کے سی کانڈا کا ترجمہ:

Taper like though I am a tongue from head to heel

Yet I cannot dare to open my lips for speech. (9)

این میری شمل کا ترجمہ:

We are all tongues from, head to feet, like candles,

But where would it be possible to talk?(10)

کے سی کانڈا اور این میری شمل کے مذکورہ تراجم میں مفہوم کی عکاسی پر توجہ دی گئی ہے۔ پیشِ نظر شعر میں عشق حقیقی کا بیان ملتا ہے اس لیے پاسِ ادب کا معیار بہت کڑا ہے۔ سارا وجود مثلِ زبان ہے مگر زباں میں تابِ گویائی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ شعر میں سرشاری اور بے خودی کی جو کیفیت جھلکتی ہے اس کا عکس تو تراجم میں دکھائی دیتا ہے مگر وہ سوز دروں مفقود ہے جو درد کے شعر کا طرہ امتیاز ہے۔

مذکورہ غزل کے دو اشعار:

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو　　　دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر　　　اے دردؔ آ کے بیعتِ دستِ سبو کریں

کلاسیکی شعری روایت میں زاہد، ناصح، شیخ اور واعظ وغیرہ جیسے کردار مذہب کے نام لیوا اور ''ٹھیکے دار'' ہیں مگر رواداری اور وسعتِ قلبی سے محروم ہیں۔ زاہد تنگ نظر معمولی باتوں پر لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اس لیے زیرِ نظر شعر میں دردؔ نے مذہب کے نام نہاد ٹھیکے داروں اور ظاہر پرستوں پر طنز کرتے ہوئے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ کسی فرد کی ظاہری حالت دیکھ کر اس پر کوئی فتویٰ نہیں لگانا چاہیے کیونکہ اکثر روشن چہروں کے باطن چنگیز سے تاریک تر ہوتے ہیں اور بظاہر گنہ گار دکھائی دینے والے باطنی طور پر معرفتِ حق کی مے سے سرشار ہوتے ہیں۔ مذکورہ شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے کے سی کانڈا لکھتے ہیں:

Judge me not, O sheikh, by my drenched hem,

Angels will ablution seek if, I wring my cloak (11)

اومیش جوشی کا ترجمہ:

O Preacher, go not by my wet shirt front,

If shirt front I wrung, Angels would abulate. (12)

مذکورہ تراجم میں تر دامنی کے لیے Wet shirt front کا استعمال ابلاغ کے نقطۂ نظر سے آسان ہے مگر درد کی متصوفانہ فکر کے حوالے سے اجنبیت لیے ہوئے اس کے مقابلے میں Drenched hem جیسے الفاظ مذکورہ کیفیت کی بہتر عکاسی کرتے ہیں۔

اس طرح دوسرے شعر کا ترجمہ کے سی کانڈا نے اس طرح کیا ہے:

This is my counsel, Dard, to the pious of the town,
They should come and kneel to the wine flask.(13)

ڈی جے میتھیوز اور کرسٹوفر شیکل کا ترجمہ:

To be disciples of the wine,
A scetics of the town, draw near. (14)

مذکورہ شعر میں ''زاہدانِ شہر'' کی کور ذوقی اور معرفتِ حق سے دوری پر خندہ استہزاء دکھائی دیتا ہے۔ مترجمین نے شعر کا ظاہری مفہوم پیش کیا ہے اور معرفتِ حق کی مے کی سرشاری کو پیشِ نظر رکھنے کی بجائے صرف مے (Wine) کو پیشِ نظر رکھا ہے جس کے باعث ترجمہ صرف مے پرستی کی ترغیب بن کر رہ گیا ہے۔

مذکورہ دو اشعار کے تراجم میں ہر مصرعے کے لیے یک سطری ترجمہ کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر دونوں اشعار کا ترجمہ سادہ، رواں اور سلیس ہے مگر دردؔ کے حال اور قال کی ترجمانی کا حق ادا نہیں ہو پایا۔ اسی غزل کا ایک اور شعر، میر درد کے متصوفانہ افکار کا موثر ترجمان ہے:

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں   ہم آئینے کے سامنے جب آ کے ہو کریں

کے سی کانڈا کا ترجمہ:

The forms manifold will instantly dissolved,

If before the glass I breathe, O God (15)

ڈی جے میتھیوز اور کرسٹوفر شیکل مذکورہ شعر کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

Before the mirror call on God,
Plurality will disappear (16)

درد کے شعر میں ایک آن میں جو صوتی حسن، کیفیت اور لطف ہے وہ Instantly میں مفقود ہے۔ کے سی کانڈا نے آئینے کے لئے Glass اور ڈی جے میتھیوز اور کرسٹوفر شیکل نے Mirror کا لفظ استعمال کیا ہے۔ Glass سے آر پار نظر آتا ہے جبکہ Mirror عکس دکھاتا ہے۔ دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ اسے منہ کے قریب لا کر "ہو" کیا جائے تو شیشے یا آئینے کی سطح پر بھاپ کے باعث عکس دھندلا جاتا ہے۔ درد نے شعر میں خدا کا ذکر نہیں کیا۔ مگر مترجمین نے God کا لفظ استعمال کر کے شعر کی شرح کر دی ہے۔

کے سی کانڈا کا ترجمہ شعر کی عمدہ عکاسی کرتا ہے۔ مگر کرسٹوفر شیکل اور ڈی جے میتھیوز کا ترجمہ سہل اور براہ راست ہونے کے باعث آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور آئینے کے لیے Mirror کا لفظ زیادہ موزوں ہے، کثرت نمائیوں کے مٹنے کے لیے Plurality will disappear سے بہتر اور آسان ترجمہ شاید ممکن نہ تھا، مگر انھوں نے ایک آن کا ترجمہ ہی نہیں کیا۔

مجموعی طور پر درد کے شعر میں متصوفانہ تجربے کی جو آنچ موجود ہے اسے صرف اردو میں ہی محسوس کر کے حظ اٹھایا جا سکتا ہے۔

درد کی غزلیات میں تنوع کے بہت سے رنگ پنہاں ہیں۔ وہ عشق مجازی میں بھی حقیقت کے رنگ بھر دیتے ہیں۔ مثلاً ان کا ایک معروف شعر ہے:

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور　　　شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

شمع، نور کی علامت ہے مگر حسن اور شمع کے تقابل میں شمع کی نور سے محرومی، جہاں حسن کی عظمت کی دلیل ہے وہاں شمع کے عجز اور شرمندگی کا بھی اظہار ہے۔

ڈی جے میتھیوز اور کرسٹوفر شیکل کا ترجمہ:

Last night your beauty lit the gathering,

The candle's radiance appeared unreal (17)

کے سی کانڈا کا ترجمہ:

Beside your gleaming face, at night,

The taper stood bereft of glow (18)

مذکورہ بالا دونوں تراجم شعر کے ظاہری مفہوم کی عکاسی کرتے ہیں۔ ڈی جے متھیوز اور کرسٹو فر شیکل نے حسن کے لیے Beauty کا لفظ استعمال کر کے حسن کوکُل میں دیکھنے کی کوشش کی ہے مگر کے سی کانڈا نے شمع کے شعلے یا لو کے مقابلے میں Gleaming face کے استعمال سے حسن کے ایک جز وکو پیش نظر رکھا ہے۔ اگر یہاں حسن کو مجازی مفہوم میں بھی لیا جائے تو بھی اس حسنِ بے مثال میں حقیقت کا پرتو نظر آتا ہے کیونکہ مجاز کو حقیقت تک پہنچنے کا زینہ قرار دیا جاتا ہے اور صنعت میں صانع کا عکس تلاش کیا جاتا ہے۔ اس لیے مذکورہ تراجم اگر چہ اپنی جگہ مکمل ہیں مگر انگریزی اور اردو کے تہذیبی مزاج کے فرق اور فاصلے کے باعث اصل کیفیت کا ابلاغ ہونا قریب ناممکن ہے۔

زیرِ بحث غزل کے ایک اور شعر میں درد نے عظمتِ آدم کا تصور پیش کیا ہے۔ پوری کائنات میں صرف آدم ہی اپنے علم اور بصیرت کے باعث نیابتِ الٰہی کے درجے پر ممکن ہوا۔

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے   وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

کے سی کانڈا کا ترجمہ:

Though man is not endowed with wings,
He has soared beyond the angel's reach. (19)

این میری شمل کا ترجمہ:

Although Adam had not wings,
He has reached a place that was not destined
even for angel's. (20)

اومیش جوشی کا ترجمہ:

Though Adam had no wings to fly,

Even beyond angel's he soared high (21)

انسان کو جس طرح فرشتوں پر فضیلت عطا کی گئی۔ اسے مسجود ملائک بنایا گیا اور اسے اس مقام تک رسائی عطا کی گئی جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ مذکورہ مترجمین نے اپنے اپنے انداز میں شعر کا کامیاب ترجمہ کیا ہے۔ کے سی کانڈا اور اومیش جوشی کے ترجمے میں روانی اور نغمگی کا تاثر ابھرتا ہے مگر این میری شمل کا ترجمہ نثری انداز لیے ہوتے ہیں۔

دردؔ نے اپنی غزلوں میں وحدت کے جلوے بکھیرے ہیں۔ ان کی زندگی اور شاعری اس دائرے کی اسیر رہی کیونکہ حقیقت کی تلاش ہی ایک سالک کا منتہا و مقصود ہے:

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے　　زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے

کے سی کانڈا کا ترجمہ:

Your quest is my objective, as long as I live,

Of you alone I talk, while I have a tongue.(22)

احمد علی کا ترجمہ:

So long as life remains \ I will search for thee,

And so long as I live, \ this will my prayer be (23)

کے سی کانڈا کا شعر کا عمدہ لفظی ترجمہ ہے۔ جستجو کے لیے Quest زبان کے لیے Tongue اور گفتگو کے لیے Talk جیسے الفاظ کے استعمال سے شعر کے اصل مفہوم کے قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے مقابلے میں احمد علی نے شعر کے مفہوم کو ترجمے کا حصہ بنایا ہے۔ زبان اور گفتگو کے تعلق کو دعا prayer سے اجاگر کیا گیا ہے کیونکہ صوفیاء کے نقطۂ نظر سے زبان کا مقصد ذکر ہے اور ذکر الٰہی سے بہتر دنیا میں کوئی شے نہیں۔

مذکورہ غزل کے ایک اور شعر میں تکرارِ لفظی کے باعث ایک صوتی حسن پیدا ہوا ہے۔ جس کے باعث پیغامِ معرفت میں ایک دلکشی پیدا ہو گئی ہے:

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا　　تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

پیش نظر شعر میں خدا کی ذات آرزوؤں اور تمناؤں کا محور و مرکز ہے۔

کے سی کانڈا کا ترجمہ:

For you alone I yearn, if yearn at all,

You are my desire, If I harbour one (24)

احمد علی کا ترجمہ:

For thee, dear love, alone my soul aspires,

And all my longing is beloved, they desire. (25)

اومیش جوشی کا ترجمہ:

Longing is for you, if longing there is,

Desire's for you, if desire there is (26)

مذکورہ شعر میں لفظ تمنا کی تکرار کو کے سی کانڈا نے yearn اور اومیش جوشی نے longing کی تکرار سے اجاگر کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں احمد علی نے مذکورہ تمنا کو روحانی آرزو سے تعبیر کر کے مذکورہ شعر کے صوفیانہ رنگ کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ یہاں تمنا کا مخفی مفہوم مادی نہیں روحانی ہے اور روح کے سفر میں جو پاکیزگی اور ترفّع ہے یہی شاعر کا مطمح نظر ہے۔ مذکورہ غزل کے مقطع میں درد نے براہ راست سالک اور ذاتِ حق کے رشتے کو بیان کیا ہے۔ دیکھنے والی آنکھ ہو تو ہر طرف ذات باری تعالیٰ کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں:

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر　　جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

مذکورہ شعر میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ظاہر کی آنکھ تو صرف مادی دنیا کا نظارہ کر سکتی ہے۔ دل کی آنکھ سے روحانی دنیا کا سفر ممکن ہے۔ یہی سفر ہی مخلوق کو خالق تک پہنچا سکتا ہے۔

کے سی کانڈا مذکورہ شعر کا ترجمہ کرتے لکھتے ہیں:

Who else, O Dard, should my eyes accost?

He alone is present where so ever I look. (27)

احمد علی کا ترجمہ:

Where has my heart, O Dard, cast its eyes?

Wherever I behold, I see no one but thee. (28)

شہاب الدین رحمت اللہ کا ترجمہ:

Whom hast my heart's sight eyed, O Dard,

That I do see him every where. (29)

مذکورہ تراجم میں پائے جانے والے استفہام اقراری کو موثر انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ خدا کی وحدانیت کا بھی بھرپور انداز میں بیان ملتا ہے۔

درد کی غزلیات میں زندگی کی حقیقتوں کا ادراک ملتا ہے وفا اور بے وفائی زندہ حقیقتیں ہیں۔خاص طور پر محبوب مجازی ہو تو بے وفائی خارج از امکان نہیں ہے۔

بقول درد:

بے وفائی پہ اس کی دل مت جا ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

پیشِ نظر شعر میں بھی بظاہر دل کو حوصلہ دینے کی کوشش کی گئی ہے مگر درحقیقت یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی کی بے وفائی پر اپنی زندگی حرام کرنے کی بجائے محبوب کی مجبوریوں کو سمجھنا چاہیے۔اس کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کلاسیکی شعری روایت میں محبوب ستم پیشہ اور جفا کار ہے مگر عاشق کی لغت میں صرف وفا کا لفظ درج ہے۔اور یہی وفا اس کی محبت کو مجازی جوئے کم آب سے نکال کر بحر بیکراں عطا کر دیتی ہے۔

اومیش جوشی محولہ بالا شعر کا ترجمہ سلیس اور شستہ انگریزی زبان میں کرتے ہیں:

Go not by his infidelity, O heart!

A thousand such things do happen. (30)

درد کی شاعری میں دل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔یہی دل ایک آئینہ ہے جس میں وہ رخِ محبوب کا عکس دیکھتے ہیں۔یہ کہیں ان کا مونس وغمخوار ہے،جس سے مکالمہ کر کے وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا

کرتے ہیں اور کہیں یہ دل زندگی کی بلیغ علامت بن جاتا ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے　　　کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

اومیش جوشی مذکورہ شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

You might die is what I fear, O lively heart,

Life is adorned by your very existence (31)

اومیش جوشی نے دلِ زندہ کے لیے Lively heart اور ڈر کے لیے Fear کے استعمال سے شعری لغت کے قریب رہنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ترجمے میں شعریت کا عنصر بھی برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے جس کے باعث ترجمے میں فنی حسن اور ابلاغ کا عمدہ امتزاج دکھائی دیتا ہے۔

کلاسیکی شعری روایت میں دل ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں خالقِ حقیقی سما سکتا ہے۔ دل صیقل ہو اور مادی آلائشوں سے پاک ہو تو یہ خدا کا گھر ہے مگر درد کا کمال یہ ہے کہ وہ معرفت کے مضامین بیان کرتے کرتے زندگی کی گہری حقیقتوں کی رمز کشائی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہی دل اگر صوفی کا ہو تو خدا کا گھر ہے اور دلِ عاشق ہے تو غم اور آرام کے درمیان کسی پنڈولم کی طرح متحرک رہتا ہے۔ بظاہر یہاں دل رنج و راحت کا مرکز ہے مگر رنج و راحت کے انھیں مراحل سے سرخرو ہو کر گزرنے والے ہی حقیقت کے راستے پر سفر کا اذن حاصل کر سکتے ہیں۔ بقول دردؔ:

یا رب! یہ دل ہے یا کوئی مہماں سرائے ہے　　　غم رہ گیا کبھو، کبھو آرام رہ گیا!!

این میری شمل کا ترجمہ:

Is this a heart, O lord, or else a house for guests?

Sometimes there lodges grief sometimes there lodges rest. (32)

دردؔ نے جس طرح رنج و راحت کو زندگی کا حصہ اور لازمی قدر قرار دیا ہے۔ مترجم نے اس کو مؤثر پیرائے میں اجاگر کیا ہے۔ علاوہ ازیں خدا کے ساتھ مکالمے میں جو استفہامیہ انداز، درد کے شعر میں جھلکتا ہے، اسے بھی عمدہ انداز میں پیش کر کے ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے۔

صوفی شعرا کو بالعموم تارک الدنیا قرار دیا جاتا ہے۔ موت کا احساس ہی ان کی زندگی کی

اساس ہے۔ وہ موت کو اختتامِ زندگی کی بجائے صبحِ دوامِ زندگی سمجھتے ہیں۔ زندگی اپنے جلو میں بہت کچھ لاتی ہے مگر موت ایک ایسا سفر ہے جہاں سے کوئی پلٹ کر نہیں آ سکتا۔ گویا موت زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔ درد اپنے تصورِ مرگ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آگاہ اس جہاں سے نہیں غیر بے خوداں   جاگا وہی ادھر سے جو موند آنکھ سو گیا

None but the self oblivious really knows this world,

He alone is here awake, who keeps his eyes closed (33)

مترجم نے نثری پیرائے میں شعر کے اہم حصوں کو اس طرح انگریزی کے قالب میں ڈھالا ہے کہ شعر کا مفہوم آئینہ ہو گیا ہے۔ ظاہر کی آنکھ سے تماشا کرنے والے ادھوری حقیقتوں تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ عرفان ذات انھی کو میسر آتا ہے جو ظاہر کی آنکھ بند کر کے باطن کی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔

مذکورہ شعر کی دوسری جہت اس امر کی غماز ہے کہ موت، ذات حق سے وصال کا ذریعہ ہے مذکورہ ترجمے میں Self oblivious کے الفاظ درد کے متصوفانہ افکار کے تناظر میں خاص معنویت کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔

درد زندگی کو ایک خواب یا فسانے سے تعبیر کرتے ہیں اور ان لوگوں کو نادان قرار دیتے ہیں جو عارضی زندگی کی خاطر ابدی زندگی کو فراموش کر دیتے ہیں:

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا   خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

احمد علی کا ترجمہ:

Alas! the foolishness,

It was proved at the time of death, that all we saw was nothing but a dream,

A tale all that we heard. (34)

این میری شمل کا ترجمہ:

Woe, ignorant man, at the time of death this truth will be proved,

A dream was whatever we saw, whatever we heard, was a tale. (35)

مذکورہ تراجم میں انسان کی نادانی اور پچھتاوے کا عمدہ اظہار ملتا ہے۔ جب وقتِ مرگ یہ حقیقت انسان پر آشکار ہوتی ہے کہ اپنی محدود زندگی میں جو دیکھا وہ خواب تھا اور جو سنا اس کی حیثیت افسانے سے زیادہ نہیں تھی تو زندگی کی بے بضاعتی کا احساس گہرا ہو جاتا ہے۔

درد نے ایک پر آشوب دور میں آنکھ کھولی۔ انھوں نے عصری آشوب کے عظیم الشان صحرا میں تصوف کا ایک نخلستان آباد کیا۔ انہوں نے سرزمینِ شعر میں محبت کے تخم بو کر ایوان غزل کو گلہائے معرفت سے مشک بو کیا۔ تباہی و بربادی کے جو مناظر انھوں نے دیکھے اس کا اظہار ان کی شاعری میں بھی جھلکتا ہے:

حیف! کہتے ہیں ہوا گلزار تاراج خزاں　　　آشنا اپنا بھی واں اک سبزہ بیگانہ تھا

They say the rose garden was struck by autumn, alas!

I had a friend residing there, A lonely blade of grass (36)

درد نے جس استعاراتی پیرائے میں خزاں کے ہاتھوں تاراج ہونے والے گلزار کی کہانی سنائی ہے، دکھ اور افسوس کی وہی کیفیت احمد علی کے ترجمے میں بھی جھلک رہی ہے۔

احمد علی بھی دلی کے روڑے تھے۔ انھوں نے جہاں Twilight in Delhi جیسا ناول لکھ کر دلی کی مٹتی ہوئی تہذیب کے مختلف زاویوں کو محفوظ کیا ہے، وہاں کلاسیکی شعراء کے انگریزی تراجم کے ذریعے اہلِ مغرب اور انگریزی دان طبقے کو کلاسیکی شعری روایت سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ دلی کی تہذیبی تربیت، عمدہ شعری ذوق اور انگریزی پر دسترس کے باعث ان کے تراجم کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ زیرِ نظر شعر کے ترجمے میں پائی جانے والی دکھ کی زیریں لہر اور شعریت، فن ترجمہ نگاری پر ان کی دسترس کا عمدہ اظہار ہے۔

درد کی غزلوں میں زندگی کی بے ثباتی کا احساس جہاں متصوفانہ اندازِ نظر کی دین ہے وہاں اسے عصری آشوب کا ردِعمل بھی قرار دیا جا سکتا ہے:

نے گُل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں

کے سی کانڈا کا ترجمہ:

Short our span of life, transient too the rose,
Wherefore should we harbour a love of hue and scent?(37)

ڈی جے میتھیوز کرسٹوفر شیکل کا ترجمہ:

The rose must wither, we must die,
So what delight can we find where? (38)

ڈی جے میتھیوز، کرسٹوفر شیکل اور کے سی کانڈا نے گُل کی بے ثباتی اور زندگی کی بے اعتباری کو عمدہ انداز میں اجاگر کیا ہے۔ کے سی کانڈا کے ترجمے میں شعریت اور ڈی جے میتھیوز اور کرسٹوفر شیکل کے ترجمے میں سادگی کا عنصر نمایاں ہے۔

مجموعی طور پر درد کی غزلوں کے انگریزی تراجم نہ صرف درد کے متصوفانہ اندازِ فکر، زندگی اور کائنات کے حوالے سے ان کے آفاقی تصورات کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ مغربی دنیا میں اردو شاعری کا ایک مثبت تاثر بھی اجاگر کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی

(1) ڈاکٹر سلیم اختر۔ حوالہ مذکور۔ ص ۱۷۷

(2) Dr. M. Sadiq. A History of Urdu Literature. London: Oxford University Press. 1978, p. 104.

(3) K.C. Kanda. Masterpieces of Urdu Ghazal.Lahore : Vanguard . 1995.. p.65.

(4) Ahmed Ali. The Golden Tradition. New York. Colummbia University Press, 1964. p. 128.

(5) D.J. Mathews & Christopher Schackle. Urdu Litrature. London. Urdu. Markaz. 1985. p.57.

(6) Umesh Joshi. 786. Ashaar of Ghalib and 25 other Poets.Delhi:Gopsons Publishers. 1995 p.57.

(7) Annemarie Schimmel. Pain and Grace. The Neitherland (Leiden) E. J. Brill. 1976. p. 1939.

(8) Ahmed Ali. The Golden Tradition. p. 129.

(9) K.C. Kanda. Masterpieces of Urdu Ghazal . p. 57.

(10) Annemarie Schimmel. Pain and Grace. p.58.

(11) K. C. Kanda. p.05.

(12) Umesh Joshi. p.57.

(13) K.C. Kanda. p.57.

(14) D.J. Mathews and C.Schackle. P. 56.

(15) K.C. Kanda. p.57.

(16) D. J. Mathews & C. Schackle. p.56.

(17) Ibid. p.56.

(18) K.C Kanda. p.47.

(19) Ibid. p. 47.

(20) Annemarie Schimmel. p.78.

(21) Umesh Joshi. p.54.

(22) K.C. Kanda. p. 69.

(23) Ahmed Ali. p.128.

(24) K.C. Kanda. p.69.

(25) Ahmed Ali. p.128.

(26) Umesh Joshi. p. 57.

(27) K.C. Kanda. p. 69.

(28) Ahmed Ali. p. 69.

(29) Shahabuddin Rehmatullah. Pakistan: Published by the Author.

1954. p. 19.

(30) Umesh Joshi. p.55.

(31) Ibid. p.56.

(32) Annemarie Schimmel. p.57.

(33) K.C. Kanda. p. 49.

(34) Ahmed Ali p. 123

(35) Annemarie schimmel. p.101

(36) Ahmed Ali. p.130.

(37) K.C. Kanda p.57

(38) D. J. Mathews & C. Schackle. p.56.